© rasailojaraid.com

سلسلے میں ماہ نامہ نگار لکھنؤ کا مصحفی نمبر بلاشبہ ایک اہم دستاویزی صحیفہ ہے۔ اگرچہ اس خصوصی شمارے کو علامہ نیاز فتح پوری نے افسر امرہوی کی تجویز پر مرتب کیا تھا اس وقت تک مصحفی کے بارے میں کوئی جامع کتاب موجود نہ تھی، افسر امرہوی نے چالیس سال مسلسل محنت و مطالعہ اور تلاش و جستجو کے بعد مصحفی سے متعلق مبسوط و مفصل معلومات فراہم کی تھیں وہ مصحفی کی حیات اور کلام کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔

اِن تصنیفات کے علاوہ ملک کے مشہور و غیر مشہور رسائل و جرائد میں بہت سے مضامین شائع ہوئے جن کی فہرست مہیا و مرتب کرنا آسان نہیں لیکن ان تمام کوششوں اور کاوشوں کے باوجود حیات مصحفی کے جو پہلو وضاحت طلب تھے وہ بدستور وضاحت طلب رہے۔

ادبی معرکوں میں ذوق و غالب، میر و داغ، شرر و چکبست کی معرکہ آرائیاں اردو زبان و ادب کے لیے مفید ثابت ہوئیں یہ معرکے مختلف کتابوں کے علاوہ رسائل و جرائد کے ادبی معرکے نمبر کی صورت میں تاریخِ ادب کا حصہ بن چکے ہیں، اسی طرح انشاء خان انشاء اور غلام ہمدانی مصحفی امروہوی کی ادبی چپقلش کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی، تحقیقات کی روشنی میں افسر امروہوی نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، جس رخ سے ادبی مواد پیش کیا ہے وہ بصیرت افروز بھی ہے معلومات آفریں بھی، جو لوگ روایتی اقدار اور کلاسیکی سرمایۂ ادب کے نام پر ناک بھوؤں چڑھاتے ہیں انھیں ان ادبیات کے مطالعے سے تحقیق و جستجو کی نئی راہیں نظر آئیں گی، انھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ادب میں زندگی کا ڈھنگ چلتی پھرتی شہرت کے تعاقب سے نہیں بلکہ علم و ادب سے بے لوث و بے غرض لگاؤ، عمیق مطالعہ، وسیع القلبی اور بلند نظری سے آتا ہے۔

افسر امروہوی نے مصحفی کے مذہب کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے اور اُن تمام بیانات کو جو مصحفی کے بارے میں تھے کہ اُنھوں نے اپنے آبا و اجداد کا مذہب ترک کر کے شیعہ مذہب اختیار کر لیا وہ بھی صرف اور صرف پنجتن پاک کی مدح کے سلسلے میں۔ افسر امروہوی نے دیا شنکر کی بہترین مثال سامنے رکھ کر لاجواب کر دیا اور کلیات مصحفی سے مندرجہ ذیل اشعار کو تحریر کر دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا تعلق اہلِ سنّت سے ہی ہے:

سمجھے ہیں درود سے بھی نعت کو خوب
یہ شیوہ نہیں طبع کو اپنی مرغوب
ہے مجلسِ شیعاں میں ایک سنّی یوں
سو نکٹوں میں جیسے ناک والا معیوب۱۰

''مصحفی حیات و کلام'' کے آخری باب کو دیکھیں تو اس سلسلے میں ڈاکٹر وفا راشدی کا یہ بیان اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باب کا احاطہ کرتا ہے:

ڈاکٹر وفا راشدی لکھتے ہیں کہ:

''مصحفی حیات وکلام'' (۱۹۷۵ء) کا آخری باب بعنوان ''مطالعہ'' اس کتاب کا سب سے اہم جزو ہے، فاضل مصنف نے ان اوراق میں مصحفی اور ان کے ہم عصر پیش رو اور اساتذۂ فن کا تقابلی مطالعہ جس خوش اسلوبی، خوش ذوقی اور دقتِ نظر کے ساتھ پیش کیا ہے وہ افسر صاحب کے عیارِ نظر کا مظہر ہے، اس طرزِ نگارش سے مصحفی کے فن اور ان کے صحیح مقام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔'' ۱۲

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ:

''مصحفی ۔حیات وکلام'' کی اشاعت کے ساتھ مصحفی کے مطالعہ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ افسر امروہوی کی اس تصنیف کے بغیر مصحفی کی شخصیت وشاعری کو پورے طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ فاضل مصنف نے مطالعہ مصحفی کے سلسلے میں جہاں نئے ماخذ تلاش کیے ہیں وہاں خود مصحفی کے اُردو، فارسی کلام اور تذکروں کے داخلی شواہد سے نئے اور دل چسپ نتائج بھی مرتب کیے ہیں۔ یہ اس دور کی ایک اہم تصنیف اور تحقیقی اعتبار سے کارنامہ ہے۔''

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ:

''افسر امروہوی نے اپنی اس کتاب میں مصحفی کی زندگی اور شاعری پر جس طرح قلم اُٹھایا ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔۔۔ ہر لحاظ سے اس کی انفرادیت مُسلّم ہے۔''

شمیم احمد لکھتے ہیں کہ:

''مصحفی کے سلسلہ میں اب تک کوئی مفصل کتاب نہیں لکھی گئی تھی افسر امروہوی نے مصحفی حیات وکلام لکھ کر ایک مسلسل بے انصافی اور بے اعتنائی کی تلافی کر دی ہے۔''

ابوسلمان شاہجہاں پوری لکھتے ہیں کہ:

''یہ کتاب افسر صاحب کی زندگی بھر کی کمائی اور تحقیق ومطالعہ کا نتیجہ ہے۔''

یہ کتاب مصحفی کے سلسلے میں اہم ہونے کے علاوہ اور بعض ایسے واقعات اور پہلوؤں کی بھی نشان دہی کرتی ہے جن پر تا حال غور نہیں کیا گیا تھا۔

۳۔ تلامذۂ مصحفی:

مصحفی کا شمار ممتاز اساتذہ میں ہوتا ہے۔ وہ بلا شبہ جگت استاد کہلانے کے مستحق ہیں۔ دلی سے لکھنؤ تک ان کے شاگرد تھے اور ان میں سے بعض ایسے بھی تھے، جنھیں خود استاد ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان ممتاز شاگردوں میں سب اہم مرتبہ خواجہ حیدر علی آتش کو حاصل تھا، جو دبستان لکھنؤ کی جاندار روایات کے بانی ثابت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ کرامت علی شہیدی، مظفر علی اسیر، محمد عیسیٰ تنہا اور میر مظفر حسین ضمیر ایسے نام ہیں جو اُردو شاعری کی تاریخ میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ مصحفی کے ان شاگردوں نے لکھنوی اصلاح زبان کی تحریک کے اثرات بھی قبول کیے، اور ماحول کے نئے تقاضوں سے متاثر بھی ہوئے، لیکن ان کا کمال یہ تھا کہ ان کے ہاں شاعری ناسخ اور ان کے تلامذہ کی طرح محض زبان کی اصلاح کا ایک میکانکی عمل بن کر نہیں رہ گئی تھی، بلکہ اس میں تغزل کی روح اور تاثیر بھی موجود تھی۔

دبستانِ لکھنؤ سے اگر تلامذہ مصحفی کو الگ کر دیا جائے تو یہ دبستان رنگ و آہنگ سے محروم نظر آتا ہے، لکھنؤ کی شاعری میں کوئی فکری روایت نہ بن سکی تھی اور اسی فکری خلا کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعرا ہیئت سازی کے بے کیف عمل میں مصروف ہوگئے۔ ہیئت سازی کے حد سے بڑھتے ہوئے شعوری عمل نے لکھنوی شاعری کو خالص شاعری کے اوصاف سے محروم کر دیا۔ اب شاعری میں درجۂ کمال طرز اور صنائی کو حاصل ہوا۔ تلامذۂ ناسخ نے زبان کی خدمت کے حوالے سے جس نئے شعری شعور کی تحریک شروع کی تھی اس تحریک نے خالص شاعری کو شدید ضعف پہنچایا۔ دوسری طرف جرأت، انشا، رنگین اور حسرت کی تحریک تھی، یہ شعرا اپنے عہد کے مبتذل جمالیاتی رویوں کے ترجمان تھے۔ مصحفی اور ان کے شاگردوں نے جو شعری تحریک شروع کی اس کے دوررس نتائج حاصل ہوئے۔ اس تحریک کا ایک الگ انفرادی وجود بنتا ہے۔ شاگردانِ مصحفی نے اس ہیئت زدہ شعری ماحول میں ہیئت اور خوبصورت فکر کے امتزاج سے دبستان لکھنؤ کی حرمت کی حفاظت کی۔ ان کی تحریک مدافعتی شاعری کی تحریک ہے۔ مصحفی، آتش اور دیاشنکر نسیم اس شعوری تحریک کے تجرباتی سفر کی مختلف کڑیاں ہیں، جن سے یہ شعری تحریک ارتقاء پاتی ہے۔ جس شعری تحریک کی بنیاد مصحفی نے لکھنؤ میں رکھی تھی یہ تحریک اپنے اعلیٰ جمالیاتی تجزیہ کی صورت میں نسیم تک مکمل ہوئی ہے۔ نسیم، مصحفی کی شعری تحریک کا نقطۂ کمال ہے۔ نسیم کے شعری تجربہ کی صورت میں یہ سارا مواد موجود ہے جس کی تمنا، مصحفی دبستانِ لکھنؤ کے نئے دور کی نئی بنیادیں استوار کرتے ہوئے رکھتے تھے۔

اس زمانے میں مولوی عبدالحق نے مصحفی کے کئی تذکرے شائع کیے ان تذکروں سے افسر امروہوی کو خیال آیا کہ مصحفی کی حیات اور ان کے تلامذہ پر کسی بھی قسم کا تحقیقی کام نہیں ہوا۔ اگر اس سلسلے میں چھان بین کی جائے تو یہ اردو کی بہترین خدمت ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے مصحفی کے اسلوبِ شاعری کے بارے میں ایک طویل تر مقالہ لکھا جو علامہ نیاز فتح پوری کے رسالہ نگار میں بالاقساط شائع ہوا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے علامہ نیاز فتح پوری کو توجہ دلائی کہ وہ نگار کا مصحفی نمبر کا اجرا کریں۔ علامہ نیاز فتح پوری جانتے تھے کہ مصحفی ایک منفرد دبستانِ شاعری کے بانی ہیں اور اپنا اسلوب اور پیرایہ دوسرے شعرا سے مختلف رکھتے ہیں۔ اگرچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ نیاز فتح پوری نے افسر امروہوی کی تحریک پر نگار کا مصحفی نمبر نکالا تھا لیکن افسر امروہوی کی معلومات سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ افسر امروہوی نے مصحفی کے حالات اور تلامذہ کے بارے میں بہت سا نیا مواد جمع کر لیا تھا۔ اسے ملک کے علمی اور ادبی حلقوں تک پہنچانے کے لیے کراچی کے ایک جریدے ''تنویر'' نے مصحفی نمبر شائع کیا۔ اس کے تمام مضامین افسر امروہوی نے لکھے تھے لیکن یہ رسالہ ایسے دور افتادہ اور غیر ادبی شہر سے شائع ہوا تھا کہ اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہ ہو سکی۔ اس کے ایک طویل عرصے بعد انھوں نے اس جمع شدہ مواد کو مرتّب و مدوّن کر کے ۱۹۷۲ء کے بعد حیاتِ مصحفی اور تلامذہ مصحفی کے نام سے دو کتابیں شائع کیں۔ مصحفی اپنے وقت کے سب سے کثیر التلامذہ استادِ سخن تھے، ان کے شاگردوں میں اکثر ایسے تھے جنھیں استاذ الاساتذہ ہونے کا فخر حاصل تھا۔ اس اعتبار سے تذکرہ مصحفی، تلامذۂ مصحفی کے تذکروں کے بغیر نامکمل رہ جاتا۔ افسر امروہوی نے تلامذہ مصحفی کا تفصیلی جائزہ لیا، سلسلۂ مصحفی کے چار سو شعرا کے حالات اور کلام پر مشتمل چار جلدیں مکمل کیں، ان میں صرف ایک جلد شائع ہو سکی ہے، یہ جلد تلامذہ مصحفی کے نام سے ۱۹۷۷ء میں منظرِ عام پر آئی۔ افسر امروہوی نے اس جلد میں مصحفی کے تقریباً ایک سو پچاس سخن سنج شاگردوں کی حیات اور ان کے کلام کے نمونے بڑی جان کاہی سے درج کیے ہیں، مصحفی کے تلامذہ میں خواجہ حیدر آتش، طالب علی عیش، احمد لاہوری، مرزا لطف علی بیگ وِلا جیسے مشہور اکابرینِ سخن بھی تھے ان کے علاوہ بہت سے گمنام شعرا بھی تھے۔ جن کی تفصیلات پہلی بار اس کتاب میں ملتی ہیں۔

۴۔ تذکرہ عروس الاذکار:

تذکرہ نگاری جو ہمارے یہاں عہدِ قدیم کی یادگار ہے نئی ترتیب کے ساتھ ۱۹۴۷ء کے بعد جس طرح سامنے آئی اس سے اس وقت کی اور آج کی تذکرہ نگاری کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہمارے قدیم تذکرے تو فارسی زبان میں لکھے گئے لیکن بعد میں جب اردو شعرا کے تذکرے اردو زبان میں لکھے جانے لگے تو بھی ان کا وہی پرانا انداز رہا۔ بہت سے تذکروں میں غیر مقصدی سنی سنائی باتیں لکھ دی جاتی تھیں۔ تذکرہ نگار اپنے ذہن پر اعتماد نہ رکھتا تھا۔ اسناد و دلائل کی کمی تھی اس لیے ان تذکروں میں واقعات کا انتشار تو تھا ہی حد یہ ہے کہ شعرا کے ذکر میں ولدیت اور سن تک کا اہتمام نہیں تھا۔ بے ترتیب اور گمراہ کن باتیں لکھ دی جاتی تھیں۔ مغربی ادب سے ہم نے جہاں بہت کچھ حاصل کیا وہاں تحقیق کے میدان میں بھی زبردست علمی آگہی حاصل کی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہمارے تذکروں میں مغربی اندازِ تحقیق کا باضابطہ اور وسعت کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ نئے تحقیقی شعور کی وجہ سے ہمارے لیے تحقیق نے روایتی تذکروں کی خامیاں بیان کیں اور شعرا اور فنکاروں کے ذاتی حالات اور ان کے عملی کارناموں میں توازن کی فضا پیدا ہوئی۔ پرانے تذکروں میں ایک ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر مختلف شعرا کے نام سے منسوب نظر آتا ہے۔ اور کسی شعر کے اصل خالق کی بجائے دوسرے فن کاروں سے وابستگی کی مثالیں ان تذکروں میں بھری پڑی ہیں۔ اس کے علاوہ تحقیقی گمراہی اور بے خبری کے ساتھ ساتھ ان تذکروں میں تنقید کا فقدان بھی نظر آتا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے شعور اور جدید علوم کی آمد نے تذکروں کو ان عیوب سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں افسر امروہوی لکھتے ہیں کہ:

''اسباب خواہ کچھ ہوں یہ بات بے حد تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کہ جس صدی میں شمالی ہند نے اتنے تذکرے مرتب و مدوّن کر کے اپنے علاقے کی ادبی تاریخ کو نامربوط اور غیر مسلسل ہونے سے بچایا، جنوبی ہند میں اس صنف کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی گئی۔ گل عجائب (۱۱۹۴ھ) کے بعد ۹۵ سال یعنی ۱۲۸۹ھ (عروس الاذکار) تک شعرائے دکن کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ اس زمانے میں جنوبی ہند میں جو تذکرے لکھے گئے یا تو وہ گجرات سے تعلق رکھتے تھے یا مدراس و کرناٹک کے شعرا کے حالات میں تھے۔ البتہ اس صدی کا ایک تذکرہ ایسا ہے جس کا آغاز تو شمالی ہند میں ہوا تھا مگر تکمیل پندرہ بیس سال بعد حیدرآباد دکن میں ہوئی اس تذکرے کا نام ''مجمع الانتخاب'' اور مصنف کا نام شاہ کمال الدین ہے'' ۱۲

تذکرے کے آغاز کا سال ۱۲۸۹ھ /۱۸۷۲ء اور اختتام کا سال ۱۲۹۲ھ /۱۸۷۵ء ہے۔

تذکرہ عروس الاذکار کے اب تک تین نسخوں کا علم ہوا ہے۔ ان میں سے دو کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اُردو کراچی کی ملکیت ہیں اور ایک ناقص نسخہ حیدرآباد دکن میں ہے۔ یہ نسخہ تمکین کاظمی نے ادارۂ ادبیات اردو کو عطا کیا تھا اور اس بنا پر ڈاکٹر زور قادری مرحوم نے ادارۂ ادبیات اُردو کی فہرست مخطوطات میں اسے ''تذکرہ عطائے تمکین'' کے نام سے درج کیا ہے۔ موجودہ نسخہ انجمن ترقی اردو میں موجود دو قلمی نسخوں کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ اُس نسخے کو افسر امروہوی نے مرتب کیا ہے۔

۵۔ تذکرہ مدائح الشعرا:

مدائح الشعراء کی طباعت کے حوالے سے افسر امروہوی لکھتے ہیں کہ:

''اکبر شاہ کا انتقال ۱۲۵۳ھ میں ہوا، اور انھوں نے ۱۲۲۱ھ میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا تھا ہمیں اس عبارت سے یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ مدائح الشعرا کا آغاز ان دونوں سنوں کے درمیان ہوا، اور اس کی تکمیل کا وقت مصنف کی دوسری اطلاع سے متعلق ہو جاتا ہے جس میں اس نے شاہ نصیر الدین حیدر فرمانروائے اودھ کے عہد حکومت کا ذکر کیا ہے جو ۱۲۵۳ھ پر ختم ہوتا ہے۔ اس لیے مدائح الشعرا کا زمانۂ تصنیف ۱۲۲۱ھ سے ۱۲۵۳ھ تک متعین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شاہ غلام اعظم افضل کا نام آجانے سے جن کا انتقال ۱۲۶۰ھ میں ہوا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سنہ مذکور کے بعد بھی اضافہ ہوتا رہا۔'' ۱۳

بنارس کے اردو شعرا کے احوال پر مشتمل ایک تذکرہ ''مدائح الشعرا'' نواب عنایت حسین خان مہجور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنارسی نے تصنیف کیا تھا، جواب تک غیر مطبوعہ تھا۔ جسے افسر امروہوی نے اپنے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ عام طور پر تذکروں میں شعراء کے کلام پر جدید تنقیدی نظریات کی روشنی میں اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ شاعر کے کلام اور اس کی زندگی سے شعر وادب کے رابطہ اور رشتہ کی وضاحت ہوتی ہے۔ عام روایتی تذکروں میں شعرا کے عہد کا پس منظر بیان نہیں کیا جاتا تھا۔ محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں مختلف ادوار کا تعارف پیش کیا ہے وہ بھی ان کی انشاء پردازی کی نذر ہو گیا ہے۔ اب نئے تذکروں میں تاریخی اتار چڑھاؤ کا منظر نامہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شعرا کے ذکر میں اس عہد کی معاشرتی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں اس طرح یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جدید تذکرے تاریخ اور سوانح کی خصوصیات بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اس کے علاوہ بعض اوقات مرتب اپنی مرضی سے اصل نسخے میں اضافہ یا کمی کر کے اسے ترتیب دیتا ہے۔ زیرِ بحث تذکرہ ''تذکرہ مدائح الشعرا'' بھی اسی طرز کا ایک تذکرہ ہے۔

برہان پور کے شعراء کا تذکرہ افسر امروہوی کا لکھا ہوا ہے جو افسوس کتابی صورت میں شائع نہیں ہوا۔ بلکہ مجلّہ ''اردو'' میں بالاقساط شائع ہوتا رہا۔ برہان پور کے شعرا کے بارے میں صرف احمد خلیل برہان پوری کا مقالہ ''تذکرہ شعرائے برہان پور'' ہے یا چند شاعروں کا ذکر ''تاریخ برہان پور'' مصنفہ خلیل الرحمٰن میں ملتا ہے۔ اور افسر صدیقی امروہوی نے انھیں کی مدد سے شعرائے برہان پور کا تذکرہ لکھا۔ چوں کہ یہ تذکرہ کتابی صورت میں موجود نہیں ہے بلکہ سہ ماہی اردو میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے۔ اس لیے اس میں مقدمہ، حواشی اور تعلیقات نہیں ہیں۔

٦۔ برہ بھبھوکا:

افسر امروہوی نے فضلی اورنگ آبادی، معاصرِ ولی، کی ایک مثنوی دریافت کی ہے۔ اب تک فضلی کی دو مثنویوں ''برہ بھبھوکا'' اور ''پریم لوکا'' اور ایک تصنیف ''زادِ راہ'' کا سراغ ملتا ہے۔ لیکن یہ تصانیف دستیاب نہیں تھیں۔ افسر امروہوی نے انجمن کے کتب خانے کی ایک بیاض سے اس کی مثنوی ''برہ بھبھوکا'' تلاش کر کے شائع کر دی ہے (جو مجھے کوشش کے باوجود نہ مل سکی) تذکرہ نویسوں نے اس مثنوی کے پانچ سو اشعار کا قیاس کیا تھا، لیکن بیاض میں صرف ۳۷ اشعار درج تھے چوں کہ اشعار قلیل ہونے کے باوجود قصے کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں آیا، اس لیے افسر امروہوی کا خیال تھا کہ یہ مثنوی انتخاب کر کے لکھی گئی ہے۔ [۱۴]

٧۔ عاقبت بخیر:

مثنوی ''عاقبت بخیر'' مصنفہ سیّد ساجد علی فنائی کو افسر امروہوی نے مرتب کیا ہے۔ یہ مثنوی کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئی بلکہ سہ ماہی اُردو ۱۹۷۹ء شمارہ ۴ میں شائع ہوئی ہے اور یہ مثنوی تاریخی لحاظ سے اہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے عاقبت بخیر میں اس جنگ کے حالات نظم کیے گئے ہیں جو نواب مظفر خاں سدوزئی حاکم ملتان اور راجہ رنجیت سنگھ کے درمیان ۱۲۳۳ھ میں قلعہ ملتان کے لیے ہوئی تھی اس میں عبدالصمد خاں جس کا باپ نواب مظفر خاں کا ملازم تھا، رنجیت سنگھ کی طرف سے لڑا تھا۔ اس جنگ میں نواب مظفر خاں اور ان کے کئی جوانمرد و شیر دل بیٹے شہید ہوئے۔

۸۔ مثلِ خالق باری:

عہدِ قدیم کی ایک مثنوی منشی اجے چند سکندر آبادی نے ۹۶۰ھ میں ''خالق باری'' کی طرز پر تصنیف کی تھی۔ اسے افسر امروہوی نے ''مثلِ خالق باری'' کے نام سے مرتب کیا ہے (مشمولہ: ''اردو'' قسط اول، جولائی ۱۹۸۳ء اور قسط دوم: اکتوبر ۱۹۸۳ء) چوں کہ یہ مثنوی کتابی صورت میں شائع نہ ہوسکی اس لیے اس مثنوی میں مقدمہ اور حواشی موجود نہیں ہیں۔

۹۔ نوسرہار:

اردو کی سب سے پہلی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' نویں صدی ہجری کے ربع اول میں تصنیف ہوئی تھی جسے بابائے اردو نے دریافت کیا، ڈاکٹر جمیل جالبی نے جناب افسر امروہوی کے تعاون سے مرتب کی تھی اور انجمن سے شائع ہوئی۔ (سالِ اشاعت ۱۹۷۳ء ہے) اس مثنوی کے تقریباً پچھتر سال بعد دسویں صدی ہجری کے آغاز میں مثنوی ''نوسرہار'' تصنیف ہوئی۔ یہ مثنوی ۹۰۹ھ میں لکھی گئی جسے افسر امروہوی نے مرتب کیا، اس میں واقعات کربلا نظم کیے گئے ہیں اس کے مصنف شاہ اشرف بیابانی متوفی ۹۳۵ھ ہیں۔

۱۰۔ سنگھاسن بتیسی:

دکن میں ایہام گوئی کے خلاف تحریک کے جو نمونے ملتے ہیں وہ سراج اورنگ آبادی کے علاوہ شاہ قاسم کے ہاں نظر آتے ہیں۔ میرزا مظہر، تاباں، یقین اور شاہ حاتم کے معاصر دکن میں اردو شاعری کی روایت کو استحکام دینے والوں میں ان کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ان کا دیوان سخاوت مرزا نے متعدد نسخوں کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا ہے اور مقدمے میں حالاتِ زندگی اور شاعری کا احاطہ کیا ہے۔ اس کی اشاعت سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ شاید شمالی ہند کے زیرِ اثر قاسم کے کلام میں یقین، تاباں اور مظہر کی طرح غزلیں ملتی ہیں، اپنے دیگر دکنی معاصرین کے مقابلے میں، جن میں سراج جیسا شاعر بھی موجود ہے انھوں نے اپنی زبان کو زیادہ صاف کیا ہے۔ افسر امروہوی نے انھیں کے ایک ہم عصر کی ایک مثنوی کو جس میں ''سنگھاسن بتیسی'' کو منظوم کیا گیا ہے، مرتب کر کے شائع کیا ہے اس کے مصنف کا تخلص فقیر ہے اور اس کا تعلق دکن سے ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۔ رباعیاتِ نصرتی:

''رباعیاتِ نصرتی'' کا آغاز نصرتی کے تعارف سے ہوا ہے جو انجمن ترقی اردو (کراچی) سے شائع ہوئی۔ اس میں افسر امروہوی نے نصرتی کی ۲۸ رباعیاں شامل کی ہیں۔ انجمن ترقی اردو میں ''من رباعیاتِ نصرتی'' کے عنوان سے بیاض موجود ہے جس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام رباعیاں نہیں ہیں بلکہ انتخاب ہیں۔ اس کے علاوہ بھی رباعیاں ہوسکتی ہیں۔

۱۲۔ بیاضِ مراثی:

دکنی ادب کی دید و دریافت کے ضمن میں جو روایات مولوی عبدالحق نے قائم کی تھیں اس کو آگے بڑھانے میں افسر امروہوی نے بڑی دلجمعی سے کام لیا اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں مخطوطات کے ساتھ ساتھ تقریباً ۶۴ بیاضیں موجود ہیں۔ ان بیاضوں میں قدیم ادب کا ایسا سرمایہ موجود ہے، جو مخطوطات کے ذخیرے میں موجود نہیں، ایسی بیاضوں کی مدد سے بعض نہایت اہم انکشافات ہوئے ہیں اور نادر قیمتی سرمایۂ ادب دریافت ہوا ہے۔ کتب خانۂ پنجاب کے ذخائر کی بیاضوں سے محمد اکرام چغتائی نے ایسے متعدد اہم انکشافات کیے ہیں، جن کا حوالہ ان صفحات میں کئی جگہ آیا ہے۔ انجمن کے کتب خانے کی ایک بیاض، مراثی اور نوحوں پر مشتمل ہے۔ اسی بیاض کے آخر میں ترقیمہ کے تحت ۱۱۱۷ھ لکھا ہے، جس سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پوری بیاض کم و بیش اسی زمانے میں لکھی گئی۔ اس بیاضِ مراثی میں بیش تر کلام دکنی ہے۔ لیکن گاہے گاہے فارسی کلام بھی درج ہوا ہے۔ افسر امروہوی نے اس بیاض کو قیمتی سمجھتے ہوئے مرتب کردیا ہے اور ہر شاعر کے کلام کے ساتھ اس کے حالاتِ زندگی تحریر کردیے ہیں۔ اس طرح اسے ایک عمدہ تالیف اور ایک مفید ماخذ کی حیثیت دے دی ہے۔

افسر امروہوی نے اپنے کراچی میں قیام کے دو سال بعد اپنی شاعری کے دو مجموعے شائع کیے ''تابشِ خیال'' اور ''شہابِ تخیل''۔ افسر امروہوی جانتے تھے کہ محض شاعری سے لوگوں کے مزاج میں تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ ان میں لکھنے پڑھنے کا ذوق پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نثر پر بھی توجہ دی جائے اور تحقیق و دریافت سے بھی کام لیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۳۰ء کے بعد قدیم ادب کے مطالعے اور دریافت و تحقیق کو اپنی فکر کا موضوع بنالیا۔ ان کے ابتدائی تحقیقی مضامین میں جو ۱۹۳۳ء میں لکھے گئے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل مضامین کو بڑی شہرت ملی تھی اور اسے اس دور کے کئی محققین نے سراہا تھا:

۱۳۔ استاد شاگرد کا رشتہ:

افسر امروہوی کا مضمون ''استاد شاگرد کا رشتہ'' العلم جنوری تا جون ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افسر امروہوی نے اپنے اس مضمون میں تحقیقی طور پر کام کیا ہے اور استاد اور شاگرد کے رشتہ کی وضاحت کی ہے اور اس کا مختصر تقابلی جائزہ بھی لیا ہے کہ گزشتہ دور میں استاد کی جو حیثیت مسلم تھی وہ دورِ جدید میں نہیں۔

قدیم زمانے سے استاد شاگرد کا رشتہ بچے کے والدین کے بعد سب سے زیادہ اہم شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کیفیت برِ صغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی آمد کے وقت اور اس کے بعد تک سیاسی انقلابات کے باوجود جاری رہی۔ بد قسمتی سے موجودہ ادوار میں یہ رشتہ کم از کم پاکستان میں بوجوہ کم زور سے کم زور تر ہوتا جا رہا ہے اور اس نازک روحانی تعلق کی بحالی سے قوم کے نونہالوں کا مستقبل وابستہ ہے۔

۱۴۔ کتب خانۂ خاص کی بیاضیں:

افسر امروہوی کا یہ مضمون ''کتب خانہ خاص کی بیاضیں'' ماہ نامہ قومی زبان اردو (کراچی)، میں قسط وار شائع ہوا۔ پہلی قسط ماہ نامہ قومی زبان اردو (کراچی)، جون ۱۹۶۸ء میں، دوسری قسط جولائی ۱۹۶۸ء اور تیسری قسط دسمبر ۱۹۶۸ء میں ''انجمن کی بیاضیں'' کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ مضمون خالص تحقیقی نوعیت کا ہے۔ اس مضمون میں افسر امروہوی نے اُن بیاضوں کو شائع کیا ہے جو دواوین میں شامل نہیں ہیں۔ ان میں سے افسر امروہوی۔ نے وہ کلام شائع کیا ہے جو کہ غیر مطبوعہ اور نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

۱۵۔ شفیق اورنگ آبادی کی ایک نایاب مثنوی:

افسر امروہوی کا مضمون ''شفیق اورنگ آبادی کی ایک نایاب مثنوی'' ماہ نامہ قومی زبان اردو (کراچی)، اگست ۱۹۶۳ء میں منشی لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی کی مثنوی کو شائع کیا ہے۔

منشی لچھمی نرائن شفیق، صاحب اورنگ آبادی، میر غلام علی آزاد بلگرامی کے شاگرد اور کثیر التصانیف شاعر تھے۔ شفیق نے اگرچہ اردو میں صاحب تخلص قائم رکھا ہے لیکن شہرت شفیق ہی کو حاصل ہے۔ وہ لاہور کے کھتری کپور قوم کے فرد تھے، ان کے دادا بھوانی داس عالمگیری لشکر کے ساتھ لاہور سے دکن گئے اور اورنگ آباد میں قیام کرنے کے بعد وہیں نوکری کر لی۔ ان کے منجھلے لڑکے رائے منسا رام تھے، لچھمی نرائن انھیں منسا رام کے لڑکے تھے۔

شفیق کی تاریخ ولادت ۲ رصفر ۱۱۵۹ھ ہے اور وہ بقول ہاشمی مرحوم ۱۲۱۵ھ تک حیات تھے۔ دواوین کے علاوہ شفیق کی تقریباً بیس اور تصانیف کا پتا چلا ہے۔ انھیں میں ایک مثنوی نوشتۂ آخرت بھی ہے جس پر یہ مضمون لکھا گیا ہے، مثنوی کا مخطوطہ ناقص الطرفین ہے اور آب زدگی کی وجہ سے بعض الفاظ ایسے ہو گئے ہیں کہ انھیں صحیح پڑھنا مشکل ہے معلوم نہیں مصنف نے اس مثنوی کا نام کیا رکھا تھا لیکن افسر صدیقی امروہوی نے مثنوی کی اس بیت سے مثنوی ''نوشتۂ آخرت'' نام اخذ کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے مثنوی نوشتۂ آخرت
یہ ہے رہبر گوشۂ آخرت

۱۶۔ چند اکابر اردو برطانیہ میں:

افسر امروہوی کا مضمون ''چند اکابر اردو برطانیہ میں'' رسالہ ''چند اکابر اردو۔ برطانیہ میں'' ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ افسر امرہوی نے اپنے اس مضمون میں اُن چار گروہوں کے بارے میں تحقیق کی ہے جو مختلف کاموں کے سلسلے میں برطانیہ گئے اور وہاں جا کر یا واپس آنے کے بعد اردو کی تصنیف و تالیف کے لیے کام کیا۔ ان کے نام درج ذیل ہے:

۱۔	نواب اقبال الدّولہ لکھنوی	۲۔	راجا رام موہن رائے
۳۔	میر محمد حسین لندنی	۴۔	خلیل
۵۔	سیّد احمد	۶۔	مرزا ابو طالب
۷۔	میر حسن علی لندنی	۸۔	نواب رئیس مرشد آباد
۹۔	جنابہ عالیہ والدہ واجد علی شاہ	۱۰۔	سیّد عبداللہ
۱۱۔	نواب میر جعفر علی خاں رئیس سورت	۱۲۔	میر اولاد علی اودھی

۱۷۔ سندھ کے اردو شعرا:

افسر امروہوی کا مضمون ''سندھ کے اردو شعراء'' سہ ماہی اردو، جولائی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مضمون تحقیقی نقطۂ نظر سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس مضمون میں افسر امروہوی نے سندھ کے چند عظیم شعرا کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتابوں کا تحقیقی مطالعہ بھی کیا ہے۔ (یہ مضمون افسر امروہوی نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پنجاہ سالہ جوبلی کے اجلاس میں پڑھا تھا)۔ اس کے علاوہ افسر امروہوی نے سندھ کی سرزمین کے حوالے سے بھی چند باتیں لکھی ہیں۔ کیونکہ افسر امروہوی کو سندھ سے اُس وقت لگاؤ پیدا ہوا جب وہ ۱۹۲۷ء میں امروہہ سے کراچی تشریف لائے تھے۔

۱۸۔ وحید کڑوی:

افسر امروہوی کا مضمون ''وحید کڑوی'' ماہنامہ قومی زبان اردو (کراچی)، فروری ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ یہ مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے۔ افسر امروہوی نے اس مضمون میں وحید کڑوی کے بارے میں تحقیق کی اور واضح کیا کہ وحید کڑوی مصحفی کے شاگرد تھے۔ وحید کڑوی کی افتادِ طبیعت نے تلامذہ ناسخ و امیر کے رنگِ سخن کو ناپسند کیا اور آتش کے ایک کامیاب شاگرد بشیر علی بشیر کڑوی کے دامنِ عاطفت میں پناہ لی۔ بشیر صاحب وحید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کڑوی کے ہم وطن بھی تھے اس لیے اپنے شاگرد کی مناسب اصلاح و ترقی میں ہمدردی سے کوشاں رہے۔

۱۹۔کلیاتِ مصحفی:

افسر امروہوی کا مضمون ''کلیات مصحفی'' سہ ماہی اردو اپریل ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے۔ افسر امروہوی نے اس مضمون میں کلیاتِ مصحفی پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ اور بہترین انداز میں اس کا مطالعہ کر کے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

۲۰۔نقش و نگار ضمیر در آئینہ کمالات دبیر:

افسر امروہوی کا مضمون ''نقش و نگار ضمیر در آئینہ کمالات دبیر'' سہ ماہی اردو، شمار ۳، ۱۹۷۵ء، دوسرا مضمون ''فہرست شعرائے سلسلۂ دبیر'' سہ ماہی اردو اپریل ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئے یہ مضامین شخصی بھی ہیں اور تحقیقی بھی۔ پہلے مضمون میں افسر امروہوی نے ابتداء میں مرثیہ کے آغاز و ارتقاء پر علمی گفتگو کی ہے۔

اس کے بعد بہترین مرثیہ گو میر ضمیر کی شخصیت اور اُن کے شاگردوں کا تعارف کروایا ہے۔ (جہاں سے مرثیہ آگے نہ بڑھ سکا) اور میر ضمیر کے شاگرد مرزا سلامت علی دبیر بہترین مرثیہ گو شاعر تھے۔ افسر امروہوی نے بنیادی طور پر ان کے شاگردوں کا تعارف کروایا ہے۔ جن کی تعداد بے شمار ہے۔ دوسرے مضمون میں سلسلہ دبیر کے ہی اُن شعراء کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر پہلے مضمون میں نہیں کیا گیا۔

غرض یہ کہ افسر امروہوی کلاسیکی ادب کے دلدادہ اور جدید ادب کے شیدائی تھے، وہ نوجوان و عمر گزیدہ اہلِ تحقیق کی بڑی خلوص و شفقت سے رہنمائی فرماتے، وہ میدانِ تحقیق میں قدیم و جدید دونوں رجحانات کو ملحوظ رکھتے، موضوع کے ہر پہلو پر عمیق نظر ڈالتے، اپنے نقطہ نظر کو نہایت واضح الفاظ میں پیش کرتے، ان کا اسلوبِ تحقیق منفرد تھا وہ اس میدان میں یکتا تھے۔

حواشی:

۱۔ احمد حسین صدیقی، کشور اولیا امروہہ، محمد حسین اکیڈمی، فروری ۱۹۹۹ء، ص ۳۱۔

۲۔ فیضان علی نقوی، فیضان سادات، سید نذر حسین نقوی، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۵۔

۳۔ احمد حسین صدیقی، کشور امروہہ اولیا، محمد حسین اکیڈمی، فروری ۱۹۹۹ء، ص ۲۵۔

۴۔ احمد حسین صدیقی، کشور امروہہ اولیا، محمد حسین اکیڈمی، فروری ۱۹۹۹ء، ص ۳۸۹۔

۵۔ محمود احمد الہاشمی العباسی، تاریخ امروہہ، سعید احمد عباسی داؤد منزل امروہہ یوپی، سن ندارد، ص ۲۵ تا ۲۶۔

۶۔ افسر صدیقی امروہوی، سرمایۂ تغزل، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۸۳ء، ص ۲۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ احمد حسین صدیقی، کشورِ امروہہ اولیا، محمد حسین اکیڈمی، فروری ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۳۔
۸۔ ''مشاعرہ کمیٹی'' انجمن ترقی اُردو (سندھ) کراچی کی پچیس سالہ رپورٹ جو انجمن کی سلور جوبلی منعقدہ ۲۲/۲۳/۲۴، ۱۹۴۰ء میں پڑھی گئی، ص ۷۔
۹۔ قومی زبان، انجمن ترقی اردو (کراچی)، فروری ۱۹۸۷ء، ص ۴۵۔
۱۰۔ افسر صدیقی امروہوی، سرمایۂ تغزل، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۸۳ء، ص ۸۷۔
۱۱۔ سفیرِ اُردو، جنوری/مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۲۹ تا ۳۰۔
۱۲۔ نصیر الدین نقش حیدر آبادی، (مرتب) افسر صدیقی امروہوی، تذکرہ عروس الاذکار، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۲۔
۱۳۔ ایضاً، ص ک
۱۴۔ قومی زبان، انجمن ترقی اردو (کراچی)، ۱۹۸۵ء، ص ۴۵۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ العباسی، الہاشمی، محمود احمد: سن ندارد، ''تاریخ امروہہ''، سعید احمد عباسی داؤد منزل، امروہہ یوپی۔
۲۔ امروہوی، افسر صدیقی: ۱۹۸۳ء، ''سرمایۂ تغزل''، انجمن ترقی اردو، پاکستان۔
۳۔ حیدر آبادی، نقش، نصیر الدین: ۱۹۷۵ء، ''تذکرہ عروس الاذکار''، مرتب: افسر صدیقی امروہوی، انجمن ترقی اردو، کراچی۔
۴۔ صدیقی، احمد حسین: ۱۹۹۹ء، ''شورِ امروہہ اولیا'' محمد حسین اکیڈمی، کراچی۔
۵۔ نقوی، فیضان علی: ۱۹۹۱ء، ''فیضانِ سادات''
۶۔ پچیس سالہ رپورٹ: ۱۹۴۰ء، ''مشاعرہ کمیٹی'' انجمن ترقی اُردو (سندھ) کراچی۔

رسائل:

۱۔ ''سفیرِ اُردو''، جنوری/مارچ ۲۰۰۱ء، کراچی۔
۲۔ ''قومی زبان''، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۷ء، کراچی۔

© rasailojaraid.com